# صوفیائے کرام کے سماجی کردار کی نشاندہی

سید جمال الدین

ہر دور میں خاص وعام کو 'نمونہ افراد' یا 'نظیر' کی تلاش رہتی ہے تا کہ ان کی دانش سے وہ استفادہ کرسکیں اور ان کے عمل سے خود بھی کچھ کر گزرنے کے لیے حوصلہ سمیٹ سکیں ۔ ماں باپ میں، بڑے بھائی بہن اور گھر کے بزرگوں میں، آس پڑوس میں، استاد میں، احباب میں، دوستوں میں، غرض معاشرے میں جن افراد سے بھی انسان کا سابقہ پڑتا ہے، ان میں وہ ایسی نظیر تلاش کرتا ہے، ایسا نمونہ ڈھونڈتا ہے جسکی تقلید یا پیروی اس کے لئے باعث حصول سعادت ہوسکے۔ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں یہ 'نمونہ' افراد' یا 'نظیر' صوفیائے کرام تھے، یعنی وہ گروہ جس کی طرف سورۂ فاتحہ میں بھی اشارہ ہوا ہے: صراط الّذین انعمت علیھم۔

آخر کیا بات تھی کہ صوفیائے کرام 'نمونہ' افراد' بن گئے۔ لوگ ان کی طرف رجوع ہوتے، ان کی صحبت اختیار کرتے اور فیض پاتے تھے۔ '' تذکرۂ حضرت سید صاحب بانسوی'' میں مصنف مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی نے اس سوال کو سمجھنے کے لیے ہماری رہنمائی ان الفاظ میں کی ہے:

''گروہ صوفیاء میں یہ دستور عام ہے کہ وہ ارشادِ نبوی تخلقوا باخلاق اللّٰہ''

(صفاتِ خداوندی سے اپنے کو آراستہ کرنے کی کوشش کرو) کے مطابق الٰہی صفت رب العالمین (سارے جہاں کا پرورش کرنے والا) کا حتی الوسع اپنے میں ظہور کی، اور اسکا مظہر بننے کی سعی کرتا ہے۔[۱]

مظہر صفات الٰہی بننا آسان نہیں، لیکن تصوف کا راستہ اسی نصب العین کی طرف کشاں کشاں لے جاتا ہے ۔ صفات الٰہی کی معرفت، ان کا اپنی فکر، مزاج وطبیعت اورعمل میں جذب کرنا اور ان سے فیض رسانی کرنا ہی تصوف ہے۔ صوفی کو جو فیض اللہ کے تقرب سے پہنچتا ہے وہ اسے اپنی ذات تک محدود نہیں رکھتا، اسے عام کرتا ہے ۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا:

'' یہ بات بے جا ہے کہ جس امر سے خود فائدہ اٹھائے وہ دوسرے کو نہ بتلائے۔[۲]

یہی وہ دانش ہے جس نے صوفیائے کرام کو اللہ کی مخلوق سے جوڑا۔ اللہ سے مشغول اور مخلوق سے وابستہ صوفی کا یہی روحانی سفر ہے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ نے کسی ایسے درویش صفت شخص کا قول نقل کیا ہے جس کے بارے میں وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ مردانِ غیب میں تھا یا کوئی اور۔ فرماتے ہیں کہ ایک ملاقات میں اس شخص نے دورانِ گفتگو کہا:

''کس قدر پست حوصلگی ہے کہ خلق سے گوشہ نشینی اختیار کرتے ہوئے میں حق میں مشغول ہوں، عالی ہمتی چاہئے کہ خلق میں بھی رہیں اور خدا میں بھی مشغول ہوں۔[۳]

ایسا بھی ہوا کہ اکابر صوفیاء کبھی خلق سے تنگ آجاتے ،لیکن بعد میں انہیں پشیمانی ہوتی۔ اس طرح کے کچھ واقعات حضرت محبوبِ الٰہی اوران کے پیرومرشد کے ساتھ بھی پیش آئے، جوخود حضرت محبوب الٰہی نے نقل کیے۔ اپنے متعلق فرمایا:

''میں جمعہ کے روز برائے ادائے نماز جمعہ جب مکان سے باہر نکلتا راستے میں خلق میری مزاحم ہوتی اوراسی طرح مسجد سے واپسی کے بعد سخت دقت پیش آتی ۔ ایک روز مسجد سے نکل کر آدمیوں سے چھپتا ہوا ایک کوچے کی راہ سے اپنے مسکن کو آرہا تھا۔ گلی میں ایک شخص مجھ سے ملا۔ بعد بغلگیر ہونے کے کہنے لگا آپ لوگوں کی عقیدت سے تنگ آتے ہیں، میں نے اس امر کو قبول کیا۔ یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا کہ میرا خسر شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کا مرید تھا۔ جس وقت شیخ الاسلام دہلی میں رہتے تھے اورنماز جمعہ کے واسطے جاتے تھے، ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ رہتا تھا۔ اگر چہ شیخ الاسلام وقت سے بہت پیشتر جاتے تھےلیکن پھر بھی راستے میں لوگ اس کثرت سے اظہارِعبودیت کرتے تھے کہ آپ تنگ ہوجاتے۔

ایک روز میرے خسر نے آپ سے معانقہ کیااور آثار تنگی کے آپ کے چہرہ سے ہویدا دیکھ کر کہا کہ یہ نعمتِ خدا ہے اس سے تنگ نہ ہونا چاہئے۔[۴]

ایک اور واقعہ حضرت محبوب الٰہی نے اپنے مرشد حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کا خلق سے تنگ آنے ، اپنے اس فعل پر پشیمان ہونے اورخلق سے اپنے کو دوبارہ جوڑنے کے بارے میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''بروقت عزیمت سلطان ناصر الدین بجانب ملتان و اوچ اجودھن راستہ میں آئی۔ حضرت شیخ شیوخ العالم ان دنوں اجودھن چلے آئے تھے۔ جملہ لشکر نے آپ کی زیارت کرنی چاہی، شیخ اس انبوہ

کثیر سے حیران ہوگئے اور اپنے مریدوں سے ارشاد فرمایا کہ میرے گرد حلقہ کرلو۔ چنانچہ حلقہ قوی کیا گیا۔ اس وقت ایک فراش سلطانی آیا اور حلقہ کو چیرتا ہوا آپ کے قدموں میں جا پڑا اور پیر چوم لیے۔ شیخ الاسلام کو یہ حرکت بغایت دشوار معلوم ہوئی۔ اس نے آپ کا چہرہ متغیرہ دیکھ کر کہا: اے فریدالدین کیوں تنگ ہوتے ہو، اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو کہ تم کو اس لائق کیا ہے۔ اس کی زبان سے یہ سنتے ہی آپ نے ایک چیخ ماری اور رونے لگے، اور اس فراش سے بہت معذرت کی۔

اس کے بعد آپ ایک جگہ کھڑے ہوگئے کہ خلق کو پاس آنے میں دقت نہ پڑے۔ دور سے سلام کرلیں اور آستین مبارک ہاتھ سے نکال کر نیچے لٹکا دی تھی۔ اہل لشکر جوق جوق آتے تھے، سلام کرکے آستین مبارک کو بوسہ دیتے اور چلے جاتے۔ آخر الامر صبح سے وقت نماز مغرب آگیا اور پیراہن آپ کا پارہ پارہ ہوگیا، لیکن انبوہ خلائق کم نہ ہوا۔۵

خلق خدا کی خدمت صوفیائے کرام کے یہاں ایک اصول کا درجہ رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں وہ بڑا اہتمام کرتے۔ پریشانیاں بھی اٹھانا پڑتیں تب بھی وہ خدمت سے دریغ نہ کرتے۔ حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ نے ایک حکایت نقل کی کہ ان سے حضرت شیخ الاسلام فرید الحق والدین قدس سرہٗ کے ایک عزیز خواجہ عزیز الدین نقل کرتے تھے کہ:

''میں ایک جگہ دعوت پر گیا تھا، جب بعد عصر کھا کر واپس آیا تو حضرت سلطان الاولیاء کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے پوچھا کہاں تھا؟ عرض کیا فلاں جگہ دعوت میں گیا تھا، وہاں اکثر اعزہ یہ باتیں کررہے تھے کہ جناب سلطان الاولیاء کی خاطرِ شریف امور دنیا وی سے فارغ ہے، آپ کو کوئی غم اور فکر اس جہاں کا نہیں۔ جناب شیخ قدس سرہ العزیز نے یہ سن کر فرمایا: جس قدر مجھ کو غم واندوہ رہتا ہے، کسی کو اس جہاں میں نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ مخلوق خدا جو میرے پاس آتی ہے اور اپنے رنج وتکلیف بیان کرتی ہے، ان سب کا بوجھ میرے دل وجان پر پڑتا ہے اور ہر ایک کے واسطے دل کڑھتا ہے۔۶

مخلوق میں سے کوئی ناراض ہوجاتا تھا تو حضرت محبوب الٰہی ہر ممکن کوشش کرتے کہ اسے منالیں۔ ایک بار خواجہ عطا نبیرۂ حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ، جو لا ابالی مزاج تھے، حضرت شیخ سلطان الاولیاء کی خدمت شریف میں آئے اور دوات وقلم حضرت شیخ کے روبرو رکھ دی اور کہا فلانے امیر کو رقعہ لکھ دو کہ مجھ کو کچھ دے۔ شیخ نے عذر فرمایا: وہ میرے پاس آمد و رفت نہیں رکھتا غیر شخص کی

سفارش کیسے کروں، مگر تم کو جو اس سے توقع ہو بیان کرو کہ میں اپنے پاس سے دے دوں، بولے جو تمہارے دل میں آئے، دے دو، مگر رقعہ سفارش بھی لکھ دو۔ شیخ نے فرمایا خیر باد! یہ طریقہ درویشوں کا نہیں ہے کہ رقعہ لکھا کریں خصوصاً جب کہ میں نے اسے نہ دیکھا ہو، نہ اس نے مجھے دیکھا ہو، اور نہ یہاں آیا ہو! اس نیک بخت نے شیخ کو برا کہنا شروع کیا کہ اے فلانے مرید میرے دادا کا اور غلام ہمارا ہے تو میں تیرا خواجہ زاد ہوں، ایک رقعہ لکھنے کو کہتا ہوں اور تو نہیں لکھتا۔ یہ کہہ کر دوات اٹھا کر زمین پر زور سے ماری اور جانے کو اٹھے۔ حضرت شیخ نے بڑھ کر دامن اس کا پکڑ لیا۔ فرمایا ناراض ہوکر مت جاؤ، رضا مند ہوکر جانا۔ ے

عہدِ اکبر کے ایک صوفی بزرگ تھے، نام تھا شیخ عزیز اللہ، ان کے ہاں صبح و شام محفل سماع رہتی تھی ۔ ملا عبد القادر بدایونی ان کے احوال میں لکھتا ہے کہ دوران سماع ان کا یہ عالم رہتا تھا کہ اگر پتھر پر بھی اس عالم میں نگاہ پڑ جائے تو پانی بن جائے ۸خدمتِ خلق کا بھی بیحد خیال واہتمام کرتے تھے۔ مثلاً بدایونی نے لکھا ہے کہ اگر وہ چلہ میں بھی بیٹھے ہوئے ہوں اور کوئی محتاج شخص خواہ وہ کسی غیر مسلم کے پاس سفارش کے لیے لے جانا چاہتا تو حجرۂ اعتکاف سے نکل آتے اور اس کے گھر دور دراز کی مسافت طے کرکے پیدل ہی چلے جاتے۔ حاجت براری کے بعد لوٹ کر پھر اعتکاف میں بیٹھ جاتے، گویا اس سے ان کا چلہ نہیں ٹوٹتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی عبادتوں پر لوگوں کی حاجت روائی کو مقدم سمجھتے تھے۔ اگر کوئی غیر مسلم یا ظالم حاکم ایک بار کہنے پر ان کی سفارش کو قبول نہ کرتا یا جان بوجھ کر گھر سے ملاقات کے لیے نہ نکلتا، تو وہ سارا دن اس کے انتظار میں وہیں بیٹھے رہتے۔ پھر بھی ملاقات نہ ہوتی تو دوسرے دن جانے کے لیے انکار نہ کرتے اور بے تکلف اسطرح چلے جاتے جیسے ان کو کسی طرح کی کدورت نہیں ہوئی۔ ان کے ان افکار کو دیکھ کر وہ شخص شرمندہ ہوجاتا اور ان کے پاؤں پر گر پڑتا اور اس حاجت مند کی حاجت پوری ہوجاتی۔۹

خدمت خلق کے لیے کسی شخص میں دو وصف کا یکجا ہونا بہت ضروری ہے: انکساری اور سخاوت۔ صوفیائے کرام کے یہاں یہ دونوں اوصاف بدرجہ اتم موجود رہتے ۔ عہد اکبر کے سلسلہ شطاریہ کے ایک بزرگ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ انکساری اور سخاوت کا مکمل نمونہ تھے۔ ملا بدایونی نے ان کی انکساری اور سخاوت کے بیان میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خود اس نے انہیں آگرہ کے بازار میں دور سے دیکھا۔ اس وقت وہ سوار ہوکر جارہے تھے اور ان کے آگے پیچھے دائیں بائیں لوگوں نے اتنا ہجوم

کررکھا تھا کہ اس بھیڑ میں کسی کا داخل ہونا ممکن نہ تھا۔اس قدر ومنزلت پر ان کے انکسار وتواضع کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کو دائیں بائیں گھوم کر اور اس قدر جھک کر سلام کا جواب دے رہے تھے کہ ان کے سر کو لحظہ بھر کے لیے قرار نہ تھا۔ ان کی پشت زین کے تکیے سے ٹکرائی جاتی تھی۔ بدایونی لکھتا ہے کہ ''لباس فقر میں یہ بڑے جاہ وجلال والے تھے،ان کی مدد معاش ایک ہزار تنکا تھی۔ جوکوئی ان سے ملنے آتا تھا وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے۔ کافروں سے بھی ان کا یہی سلوک تھا۔ ۱۱

بدایونی نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ نہایت سخی اور دریادل آدمی تھے۔ طبیعت میں بڑا انکسار تھا۔ چنانچہ کبھی اپنے آپ کو''میں'' نہیں کہا ہمیشہ خود کو''فقیر'' ہی کہا کرتے تھے۔ اس معاملے میں ان کو اتنا کچھ غلو تھا کہ جب کسی کو غلہ دیتے تو اس کے وزن کو ظاہر کرنے کے لیے''من'' کا لفظ ادا نہیں کرتے تھے، بلکہ کہتے تھے اتنے میم اور نون (من) فلاں آدمی کو دے دو' ۱۲

خلق خدا کی پذیرائی کے لیے صوفیائے کرام طعام سے تواضع پر بہت زور دیتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ خلق خدا کو کھانا کھلانا بہت اچھی بات ہے۔ ۱۳ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ خلق خدا کو کھانا کھلانا کل مذاہب میں پسندیدہ ہے۔ ۱۴

صوفیائے کرام نے کھانا کھلانے اور پانی پلانے کے آداب سکھائے۔ حضرت محبوب الٰہی نے اس ضمن میں ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ **ساقی القوم آخر همه شربا** یعنی مجلس کے پانی پلانے والے کو لازم ہے کہ سب سے آخر میں پانی پیوے اور اسی طرح کھانا کھلانے والے کو لازم ہے کہ سب سے آخر میں کھانا کھاوے۔ ۱۵ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میزبان کو لازم ہے کہ خود مہمان کے ہاتھ دھلوائے ،مگر پہلے اپنے ہاتھ پہنچے تک دھوئے کہ پاک ہوجاوے اور کھڑا ہوکر ہاتھ دھلائے، بیٹھ کر نہ دھلائے۔ ۱۶ پانی پلانے میں کیا برکت ہے، اسکو حضرت محبوب الٰہی نے ایک مرتبہ اس طرح سمجھایا کہ سلطان شمس الدین التمش کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے حوض وطفیل میں حوض سلطانی بخش دیا۔ (حوض سلطانی یا حوض شمسی بنوائے کے) طفیل بخش دیا۔ ۱۷

میزبان ضیافت کا اسی وقت لطف لے سکتا ہے جب وہ کھانا کھانے والے کی اس طرح پذیرائی کرے کہ کھائے مہمان اور مزا میزبان کو محسوس ہو۔ حضرت محبوب الٰہی نے ایک بزرگ کا قول اس ضمن میں اس طرح نقل کیا ہے کہ'' ایک بزرگ کا فرمودہ ہے کہ جو شخص میرے روبرو کھانا کھاتا ہے،

اس کا مزہ اپنے حلق میں پاتا ہوں یا با الفاظ دیگر وہ کھانا میں خود ہی کھاتا ہوں ۔۱۸؎

کھانا کھانے اور اسکی مضرت ومنفعت کے بارے میں حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ'' بحالت شکم پری کھانا کھانا روا نہیں کیونکہ موجب مضرت ہے مگر دو حالت میں کھایا جائے تو روا ہے اول اس حالت میں جب کوئی مہمان آئے اور میزبان شکم سیر ہو بپاس خاطر مہمان کسی قدر کھائے۔ دوم اس حالت میں کہ روزہ افطار کرے اور کھانا پیٹ بھر کر کھائے۔ یہ جان کر کہ بسبب تنگی معاش سحری ممکن نہ ہوگی۔ پس اگر کسی قدر زیادہ کھاجاوے تو بھی روا ہے۔

مہمان داری صوفیائے کرام کے اخلاق کا ایک اہم عنصر ہے اور یہ تعلیم انہیں حدیث سے ملی ہے۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے'' جس نے ملاقات کی زندہ آدمی سے اور نہ کھائے اس کے پاس سے کوئی چیز گویا وہ مردہ سے ملا تھا۔۲۰؎

البتہ صوفیائے کرام خود کم کھانے کے قائل تھے۔ حضرت محبوب الٰہی نے ارشاد فرمایا کہ مردان حق جو کچھ کھاتے پیتے ہیں برائے قوت عبادت ورضا جوئی حق کھاتے ہیں۔ ۲۱؎ایک بزرگ کی حکایت بیان کی کہ ان کا ارشاد ہے **بطنک دنیاک** یعنی تیرا پیٹ ہی دنیا ہے۔اگر کم کھائے گا تارک الدنیا ہوگا۔ اگر زیادہ کھائے گا دنیادار ہوگا۔ ۲۲؎ایک اور حکایت بھی بیان فرمائی کہ'' شیطان کا مقولہ ہے جو شخص پیٹ بھر کر نماز میں مشغول ہوتا ہے میں اس سے معانقہ کرتا ہوں۔پس جس وقت وہ شخص نماز ختم کر چکے اس کے حال سے قیاس کرلینا چاہیے کہ اثر میرا اس پر کہاں تک ہے؟ اور بھوکا جب سوتا ہے میں اس کے نزدیک سے بھاگ جاتا ہوں۔ قیاس کرلینا چاہیے کہ میں اس کی نماز کی حالت میں کس قدر اس سے نفرت کرتا ہوں۔ ۲۳؎طبی اور حفظان صحت کے نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو کم کھانا مفید ہے۔ اس طرح کم کھانے کی صوفیائے کرام نے جو تعلیم دی اس کا ایک مثبت دنیاوی پہلو بھی ہے اور روحانی یا دینی بھی ۔ جو کم کھائے گا وہ دنیا میں زیادہ نہیں پڑے گا ، عبادت میں بھی شیطان اس سے دور بھاگے گا۔ اس طرح دنیا میں بھی شیطان کا اس کی زندگی میں گزر نہیں ہوگا۔

مادی زندگی کی بنیاد پیسہ ہے ۔صوفی پیسے کے وجود کا انکار نہیں کرتے؟ البتہ وہ اس کے جمع کرنے میں نقصان اور خرچ کردینے میں فائدہ دیکھتے ہیں۔ مال جمع کرنے والوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ'' جس قدر ان کو میسر ہوتا ہے اس سے زیادہ طلب کرتے ہیں اور سیر نہیں ہوتے ۔ ۲۴؎ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ عزاسمہٗ نے انسان کو

مختلف الطبع پیدا کیا ہے۔ مثلاً کسی شخص کے پاس دس روپے ہوں اور اس دس کے بارہ ہوجائیں، اس کو یہ فکر ہوتی ہے کہ وہ روپے خرچ کر ڈالے اور جب تک وہ خرچ نہیں ہوجاتے اس کو آرام نہیں ملتا۔ اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ جس قدر زیادہ جمع ہوجاتا ہے اور مزید طلب کی جستجو میں رہتے ہیں۔ یہ عادت ان کی اختیاری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا ہی پیدا کیا ہے، کوئی شخص اس وقت تک راحت حاصل نہیں کرسکتا جب تک خرچ نہ کرے۔ ۲۵

بدی کے بدلے نیکی صوفیائے کرام کا ایک اہم اصول ہے۔ حضرت محبوب الٰہی کا ارشاد ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تحمل اور بردباری سے کام لیا جائے اور جس قدر جفا وخفا اٹھائے، کبھی اس کا بدلہ لینے کا ارادہ نہ کرے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تمہارے راستے میں کانٹا ڈالے اور تم بھی اس کی راہ میں کانٹا رکھو، یہ امر جوانمردی سے بعید ہے۔ ۲۶

آداب گفتگو کا صوفیائے کرام کے یہاں بڑا لحاظ تھا کہ ان سے دل ٹوٹتے یا منتے ہیں۔ حضرت محبوب الٰہی نے ارشاد فرمایا کہ ''حال اس طرح کہنا اور کلام اس طرح کرنا چاہیے کہ گردن کی رگ نہ ہلے اور نہ آواز میں تیزی پیدا ہو۔'' ۲۷

صوفیاء کی تنبیہہ کے انداز میں بھی ایک خصوصیت ہوتی تھی، جس کی وجہ سے وہ جو نصیحت فرماتے، اس میں اثر پذیری ہوتی تھی۔ کالپی کے ایک بزرگ شیخ برہان جو مہدوی طریقے پر ''پاس انفاس'' میں رہتے تھے۔ ان کے اس طرح کے انداز نصیحت کو بدایونی نے یوں نقل کیا ہے کہ ایک دن وہ مہر علی سلدوز کے ساتھ حضرت شیخ برہان کی خدمت حاضر ہوا۔ یہ مہر علی سلدوز جودرویش دوستی کی صفت رکھنے کے باوجود پورا ترکی تھا اور مردم آزاری، ستم رانی سے باز نہیں آتا تھا۔ شیخ سے ملاقات کے لیے روانہ ہونے سے قبل بھی اس نے اپنے خدمت گاروں اور ملازموں کی خوب پٹائی کی تھی اور ان کو مغلظانہ گالیاں دی تھیں۔ جب وہ بدایونی کے ساتھ شیخ برہان کی خدمت میں پہنچا، تو شیخ نے سب سے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ حدیث تھی کہ ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں'' یہ حدیث پڑھ کر حضرت شیخ نے اس کے نکات کی بڑی عالمانہ ودل کش تشریح کی۔ مہر علی پر ایسا اثر ہوا کہ وہ کھڑا ہوگیا اور اپنے کئے پر نادم وشرمندہ ہوکر توبہ کرنے لگا۔ شیخ سے دعا وفاتحہ کی درخواست کی، کچھ نذرانہ بھی پیش کیا جو شیخ نے قبول نہ کیا۔ ۲۸

مشائخ اچھی صحبت پر بہت زور دیتے ہیں کیونکہ یہی انسان کو انسان بناتی ہے اور اس کی عدمیت

سے وہ انسان نہیں رہتا۔ حضرت محبوب الٰہی نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ مشائخ کا دستور ہے کہ جب وہ کسی شخص کے حال سے مطلع وخبر دار ہونا چاہتے ہیں تو اس طرح دریافت فرماتے رہتے ہیں کہ تمہاری صحبت کس سے رہتی ہے اس سے اس کا حال معلوم ہوجاتا ہے۔ ۲۹

مشائخ کی صحبت کا فیض جسے نصیب ہوتا تھا اس کی زندگی میں زبردست تغیر آجاتا تھا۔ ملا بدایونی جو اپنے کو درباری اور مادی زندگی میں ملوث ہونے کی وجہ سے برا بھلا کہتا رہتا تھا، اپنے بھائی شیخ محمد مرحوم کے بارے میں لکھتا ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین انبیٹھی وال نے اسے اپنی بیعت سے نوازا تھا۔ چنانچہ وہ حضرت کی تھوڑی سی توجہ سے بڑا عبادت گزار اور فرشتہ خصلت بن گیا تھا۔ اس کا ایک لمحہ بھی فضول باتوں میں ضائع نہیں ہوتا تھا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ وہ میری طرح بیکار مشغلوں میں الجھا ہوا نہیں رہا۔ ۳۰

مشائخ سے وابستگی کے فوائد کو ضیاء برنی نے عہد علائی کے بزرگوں کے احوال میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے بارے میں لکھتا ہے کہ انہوں نے ''بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ گنہگار لوگ ان کے سامنے اپنے گناہوں کا اقبال کرتے اور ان سے توبہ کرتے اور وہ ان کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیتے۔ خواص وعوام، مالدار ومفلس، امیر وفقیر، عالم وجاہل، شریف و رذیل، شہری ودہقانی، غازی ومجاہد، آزاد وغلام ان سب سے وہ توبہ کراتے اور ان کو طاقیہ (ایک خاص قسم کی ٹوپی) اور مسواک صفائی کے لیے دیتے۔ ان لوگوں میں سے کثیر تعداد جو خود کو شیخ کے مریدوں میں شمار کرتی تھی، بہت سے ان کاموں سے پرہیز کرنے لگتی تھی جو کرنے کے لائق نہیں ہوتے۔ اگر شیخ کی خانقاہ میں حاضر ہونے والوں میں سے کسی سے کوئی لغزش ہوجاتی تو اسکو تجدید بیعت کرنی پڑتی اور شیخ از سر نو اس سے اقبال گناہ اور توبہ کراتے۔ شیخ کے مرید ہونے کی شرم لوگوں کو بہت گناہوں (منکرات) سے ظاہر اور مخفی طور پر باز رکھتی، چنانچہ عام لوگ یا دوسروں کی تقلید میں یا خود اپنے اعتقاد کی بنیاد پر عبادت اور بندگی کی طرف راغب ہوگئے تھے اور مرد اور عورتیں، بوڑھے اور جوان، سوداگر اور عام لوگ، غلام اور نوکر اور کم عمر بچے، سب نماز پڑھنے لگے تھے۔ ۳۱

شہنشاہیت اور مطلق العنانیت کے دور میں اگر دنیا میں کوئی دکھی، پریشان حال، مظلوم، متفکر، غمگین، بے روزگار کہیں بے جھجک جاسکتا اور دل کی مراد پاسکتا تھا تو ان مشائخ کے آستانے تھے۔ یہاں سے ان کے لیے سفارشیں کی جاتیں، تعویذ دیے جاتے، اور وردنوافل بتائے جاتے، جن سے

بلا دور ہو، مسافر سفر میں محفوظ رہیں، بیماروں کے حال معلوم کیے جاتے، ان کے لیے نسخے دواو دعا کے بتائے جاتے، حتی کہ سماع کو بھی بعض امراض کا علاج بتایا گیا۔ ایسے اعمال بتائے جاتے جن سے ظالم حکمراں سے چھٹکارا مل جاتا۔ شیخ کی نظر پاکر صاحب وجاہت غلام آزاد کردیتے۔ نہ وہ شہرت کے لیے عبادت کرتے اور نہ ہی اپنے حال کو ظاہر کرتے۔ نیک عمل کی ہدایت کرتے ۔خود دنیا سے دور رہتے، لیکن دنیا والوں کے دکھ درد میں شریک رہتے۔ اللہ ذات میں منہمک ومشغول رہتے ہوئے اس کی مخلوق کو خوش رکھنا یہ صوفیائے کرام کا سماجی رول تھا، اسی لیے وہ سماج کے ہر عام وخاص کے لیے ایک نمونہ ونظیر بن گئے تھے۔ ان کی تقلید ہوتی تھی۔ اپنے کو ان کا جیسا بنانے کی فکر رہتی تھی۔ مختلف طبقوں، پیشوں، علاقوں سے لوگ ان کے پاس آتے اور ہدایت پاتے۔ وہ گوشہ نشین رہ سکتے تھے، مخلوق سے دور ویرانے میں بھی رہ سکتے تھے لیکن ان میں سے اکثر نے مخلوق کے درمیان رہ کر اللہ کے ذکر کے ساتھ مشغول رہنے اور عبادت کے ساتھ خدمت کے کام کو جاری رکھنے کو فوقیت دی۔ حضرت محبوب الٰہی نے اپنے مرید وخلیفہ حضرت شیخ نصیرا لدین چراغ دہلویؒ کو مخلوق سے تنگ آنے کے بعد ویرانے میں جانے کی اجازت نہیں دی، بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ مخلوق میں رہ کر ان کی طرف سے ہونے والی زیادتی کو برداشت کرو۔ مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی ان میں کشش محسوس کرتے۔ وہ بعض جوگیوں کے اقوال بھی پسند فرماتے۔ تبدیلی مذہب ان کا مشن نہیں تھا، لیکن وہ اسلام کا ایسا نمونہ ضرور تھے کہ غیر مسلم اسلام پسند ہوجاتے تھے خواہ وہ مشرف بہ اسلام ہوں یا نہیں۔ حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ جوگیوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، انہیں تو ان کے ناچ گانوں میں کنہیا اور گوپیوں کا دیدار ہوجاتا۔ اورنگ زیب کے عہد کے ''اودھ باشی'' برج نواسی سیدشاہ برکت اللہؒ نے تو یہ بھی فرما دیا کہ ''دبیل اورمیت میں دیپ ایک ہی بھائے۔''

سماج کی تشکیل میں اعلیٰ قدروں کی آمیزش سے صوفیائے کرام نے بڑا کام کیا، صبروتحمل، توکل، قناعت، توبہ، سخاوت کی قدریں اس عہد کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھیں جس میں دولت پر چند افراد یا مخصوص گروہوں کا قبضہ تھا اور اکثریت کو ہر تکلف سے محروم رکھا جاتا تھا۔ یہی نہیں ان قدروں کے اختیار کرنے والے اپنے کردار کی وجہ سے امیر ہوگئے اور شرافت وانسانیت میں اپنی امارت کے لیے آج بھی مشہور ہیں۔

**حواشی**

(۱) تذکرہ سید صاحب بانسویؒ ، سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ کے سوانح حیات اور احوال ومقامات، کراچی، ۱۹۸۸ءصفحہ ۲۵۳

(۲) امیر علاسنجری، فوائد الفواد، اردو ترجمہ شمس بریلوی، دہلی، ۱۹۸۴ء،صفحہ ۲۷۴

(۳) ایضا ،صفحہ ۲۵

(۴) ایضا ،صفحات ۲۴۵، ۲۵۳

(۵) ایضا ،صفحہ ۲۵۴

(۶) حمید قلندر، خیرالمجالس ، (اردو ترجمہ) ناشر واحد بک ڈپو، جونا مارکیٹ، کراچی،صفحہ ۹۶

(۷) ایضا،صفحہ ۹۷

(۸) ملا عبدالقادر بدایونی،منتخب التواریخ ، اردو ترجمہ محمود احمد فاروقی ، کراچی، ۱۹۶۲ء ،جلد سوم ، صفحہ ۵۶۷

(۹)ایضا

(۱۰) ایضا صفحہ ۵۶۵

(۱۱) ایضا

(۱۲) ایضا

(۱۳) فوائد الفواد

(۱۴) ایضاً،صفحہ ۷۸

(۱۵) ایضاً

(۱۶) ایضاً صفحات ۲۲۱-۲۲۰

(۱۷) ایضاً

(۱۸) ایضاً،صفحہ ۱۶۳

(۱۹) ایضاً،صفحہ ۹۳

(۲۰) ایضاً،صفحہ ۱۴۳

(۲۱) ایضاً،صفحہ ۱۱۲

(۲۲) ایضاً ،صفحہ ۱۵۶

(۲۳) ایضاً

(۲۴) ایضاً،صفحہ ۱۲۳

(۲۵) ایضاً،صفحہ ۱۲۴-۱۲۳

(۲۶) ایضاً،صفحہ ۱۷۲

(۲۷) ایضاً

(۲۸) منتخب التواریخ،صفحہ ۵۶۶

(۲۹) فوائدالفوائد ،صفحہ ۸۴

(۳۰) منتخب التواریخ،صفحہ ۵۷۴

(۳۱) ضیاء برنی، تاریخ فیروز شاہی ، اردو ترجمہ سید معین الحق الدین، لاہور، ۱۹۸۳ء ،صفحات ۵۰۰-۵۰۱